بیت الاول ۔ گوئٹے مالا

۱۴ر جون ۱۹۹۱ء

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

تشہد و تعوذ اور سورۂ فاتحہ کی تلاوت کے بعد حضور انور نے فرمایا:۔

آج کا یہ خطبہ میں مسجد بیت الاوّل گوئٹے مالا سے دے رہا ہوں۔ جیسا کہ احباب جماعت کو معلوم ہے کہ ایک لمبے عرصہ سے قرآنی دعاؤں کے مضمون پر خطبات کا سلسلہ جاری ہے۔ صرف گزشتہ خطبہ اس میں استثناء کرنا پڑا۔ کیونکہ یہ خطبہ ٹرینیڈاڈ (TRINIDAD) میں آیا اور ٹرینیڈاڈ کی جماعت میں کوئی بھی اردو نہیں جانتا۔ اس لئے جماعت کی خواہش یہ تھی کہ چونکہ تاریخ میں پہلی دفعہ ہمیں موقعہ ملا ہے کہ ہم آپ سے براہ راست بات سن سکیں اس لئے ہماری خاطر اس دفعہ استثناء کر دیں اور ہمیں مخاطب کرتے ہوئے ہمارے مسائل کو پیش نظر رکھ کر خطبہ دیں۔ چنانچہ ان کی اس خواہش کے احترام میں مَیں نے ایسا ہی کیا۔ پس اس سلسلۂ مضمون کا یہ خطبہ اسی طرح جاری ہے جس طرح پہلے تھا اور بیچ کا جو خطبہ تھا وہ وقفہ شمار ہونا چاہئے۔

یہ دعا جو مَیں اب پڑھ کر سنانے لگا ہوں سورۂ نمل کی آیت ۴۵ سے لی ہے۔ اس میں ملکہ سبا جس کا نام بلقیس بیان کیا جاتا ہے اس نے یہ دعا کی کہ

رَبِّ اِنِّيْ ظَلَمْتُ نَفْسِيْ وَاَسْلَمْتُ مَعَ سُلَيْمٰنَ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ (سورۃ النمل : ۴۵)

کہ اے میرے رب! میں نے اپنی جان پر ظلم کیا اور میں آج سلیمانؑ کے ساتھ اس کے رب پر ایمان لاتی ہوں۔ اس سے پہلے جب ملکہ بلقیس حضرت سلیمانؑ کے پاس حاضر ہوئی تھی تو اس نے یہ کہا تھا کہ ہم نے تو جب پیغام سنا تھا اسی وقت ہی مسلمان ہو گئے تھے۔ تعجب یہ ہے کہ پھر دوبارہ اسلام لانے کا کیا مطلب ہے۔ اصل واقعہ یہ ہے کہ حضرت سلیمانؑ سمجھتے تھے کہ ایک منہ کی بات ہے۔

حقیقت میں ان کو ابھی اسلام کا علم نہیں۔ اسلام لانے اور اسلام میں ترقی کرنے میں ایک فرق ہے۔ پس حضرت سلیمانؑ نے اس کا ایک امتحان لیا اور امتحان ہی نہیں بلکہ اس امتحان کے ذریعہ ایک پیغام دیا۔ آپ نے اسے ایک ایسے کمرے میں ملاقات کا وقت دیا جس کا فرش شیشے سے جڑا ہوا تھا اور دیکھنے والے کو دھوکہ لگتا تھا کے یہ پانی ہے شیشہ نہیں ہے۔ چنانچہ ملکہ جب اس میں داخل ہوئی تو اس نے اپنے کپڑے بے اختیار اسی طرح سمیٹ لئے جس طرح پانی میں داخل ہوتے وقت ہر انسان طبعاً اپنے کپڑے سمیٹتا ہے۔ اس پر جب اس کو احساس ہوا کہ کیا غلطی ہوئی ہے تو پھر وہ سمجھی کہ دراصل مجھے یہ پیغام ہے کہ یہ جو ظاہری چمک ہے یہ کوئی حقیقت نہیں رکھتی۔ اس کے پیچھے ایک اور پیغام ہے اور وہ خدا تعالیٰ ہے۔ پس صنعت کی چمک دمک سے دھوکہ نہیں کھانا چاہئے۔ جب یہ پیغام اس کو ملا تو درحقیقت وہ توحید کی دوبارہ قائل ہوئی ہے اور دل کی گہرائی سے قائل ہوئی ہے۔ چنانچہ اس واقعہ کے معاً بعد اس نے یہ اظہار کیا ہے۔ اس سے پہلے آیت میں یہ ہے کہ فَلَمَّا رَاَتْهُ حَسِبَتْهُ لُجَّةً وَّكَشَفَتْ عَنْ سَاقَيْهَا ۚ قَالَ اِنَّهٗ صَرْحٌ مُّمَرَّدٌ مِّنْ قَوَارِيْرَ ــــ (النمل: ۴۵) جب وہ کمرے میں داخل ہوئی تو وہ سمجھی کہ یہ ایک چمکتا ہوا شفاف پانی ہے۔ وَكَشَفَتْ عَنْ سَاقَيْهَا اس نے اپنے لباس کو اٹھایا یہاں تک کہ اس کی پنڈلیاں ننگی ہو گئیں۔ قَالَ اِنَّهٗ صَرْحٌ مُّمَرَّدٌ اس پر حضرت سلیمانؑ نے فرمایا کہ یہ تو جڑاؤ شیشہ ہے۔ اس سے زیادہ اس کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔ مِنْ قَوَارِيْرَ شیشے کے جڑاؤ ٹکڑوں سے بنا ہوا ہے۔ تب اس نے دعا کی۔ قَالَتْ رَبِّ اِنِّيْ ظَلَمْتُ نَفْسِيْ اے میرے رب! میں نے اپنی جان پر ظلم کیا۔ یہاں ظلم کے معنی دو طرح ہیں۔ ایک تو ظلم اور شرک کو قرآن کریم نے ہم معنی قرار دیا ہے اور چونکہ وہ مشرک قوم سے تعلق رکھتی تھی اور حقیقت میں اب اس کو توحید کا سچا علم ہوا تھا اس لئے ظَلَمْتُ کے معنی یہ ہیں کہ اس سے پہلے میں ایک مشرکانہ زندگی بسر کرتی تھی۔ میں اس سے توبہ کرتی ہوں۔ دوسرے ظاہرداری کی باتوں میں یا محض دوسرے کو خوش کرنے کے لئے یہ

کہنا کہ ہم آپ کے ساتھ ہیں یہ بھی ایک ظلم ہوا کرتا ہے۔ تو وہ سمجھ گئی کہ حضرت سلیمانؑ کو اب میری حقیقت کا علم ہو چکا ہے۔ آپ جانتے ہیں کہ ابھی میں نے تسلیم و رضا کی راہیں طے کرنی ہیں اس لئے اس سے پہلے جو میں نے حضرت سلیمانؑ پر یہ اثر ڈالا تھا کہ گویا میں تو پیغام سنتے ہی مسلمان ہو گئی تھی یہ مجھ سے غلطی ہوئی اور میں اس سے توبہ کرتی ہوں۔ وَاَسْلَمْتُ مَعَ سُلَيْمٰنَ اور اس دفعہ اس نے بہت ہی عمدہ الفاظ میں اپنے ایمان کو بہت اعلیٰ رنگ میں پیش کیا ہے کہ اب جو میرا ایمان ہے وہ وہی ہے جو سلیمانؑ کا ہے اور جیسا کہ سلیمانؑ کے ایمان میں کوئی رخنہ نہیں ہے کوئی گدلا پن نہیں ہے' اسی طرح اب اے میرے خدا تو میرے ایمان کو بھی قبول فرما لے۔ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ جو تمام جہانوں کا رب ہے۔ پس یہ دعا بھی انسان کو بعض مواقع پر کام دیتی ہے۔ کئی قسم کے ظلم انسان کرتا ہے۔ اگرچہ آجکل ویسا شرک تو نہیں جیسے پرانے زمانوں میں پایا جاتا تھا یا اب بھی بعض جگہوں میں پایا جاتا ہے لیکن بسا اوقات انسان اپنے نفس کو معبود بنا لیتا ہے۔ اپنی خواہشوں کو معبود بنا لیتا ہے جیسا کہ قرآن کریم نے فرمایا تو ہر ایسے موقعہ پر جبکہ سہواً بھی غلطی ہو انسان کو ایسی دعا کرنی چاہئے جس کا تعلق شرک سے سچی توبہ اور حقیقت اسلام کو پا لینے سے ہے۔

ایک دعا حضرت موسیٰ علیہ الصلوۃ والسلام کی ہے یہ سورۃ القصص آیت ۱۷ سے لی گئی ہے۔ وہ عرض کرتے ہیں۔ رَبِّ اِنِّيْ ظَلَمْتُ نَفْسِيْ فَاغْفِرْ لِيْ اے میرے رب! میں نے اپنی جان پر ظلم کیا پس مجھے بخش دے۔ یہاں ظلم کا معنی وہ نہیں ہے جو اس سے پہلے گزر چکا ہے۔ یہاں ظلم سے مراد ایک ایسا واقعہ ہے جس میں حضرت موسیٰ علیہ الصلوۃ والسلام معصومانہ ملوث ہو گئے تھے۔ پس جب ایک عام انسان ظلم کا لفظ استعمال کرتا ہے تو اس کے معانی زیادہ گہرے ہوتے ہیں۔ بعض دفعہ واقعی اس سے بڑا ظلم سرزد ہوا ہوتا ہے لیکن اگر ایک نبی یا ولی خدا تعالیٰ کے سامنے عاجزی سے یہ کہتا ہے کہ میں نے ظلم کیا تو اس کو ان معنوں میں نہیں لینا چاہئے۔ مثلاً ملکہ سبا کا ظلم ابھی گزرا ہے۔ وہ واقعی ایک مشرکہ تھی۔ اس نے شرک

سے توبہ کی تھی۔ اس سے جو پہلا فعل سرزد ہوا تھا وہ بھی اس کے نزدیک ایک ظلم تھا اور واقعی ظلم تھا لیکن حضرت موسیٰ علیہ الصلوۃ والسلام جس ظلم سے توبہ کر رہے ہیں اس سے مراد یہ ہے کہ آپ نے ایک ہم قوم کو ایک ظالم قوم کے ہاتھوں مار کھاتے ہوئے دیکھا تو اس کی مدد کے لئے آگے بڑھے۔ آپ یہ سمجھتے تھے کہ یہ شخص مظلوم ہے اور طاقتور قوم کا فرد اس پر ظلم کر رہا ہے۔ کیونکہ آپ بہت طاقتور تھے۔ آپ نے جب اس کو مکہ مارا تو ایسی جگہ لگ گیا مثلاً بعض دفعہ کنپٹی پر لگ جاتا ہے یا کسی اور نازک جگہ پر کہ اس سے انسان کی جان بھی نکل جاتی ہے تو قرآن کریم کے بیان کے مطابق حضرت موسیٰؑ نے جب مکہ مارا تو اس کا وقت آگیا تھا۔ اس نے دم توڑ دیا اور اس وجہ سے حضرت موسیٰ علیہ الصلوۃ والسلام ڈرتے رہے اور توبہ کرتے رہے۔ چنانچہ آپ نے عرض کیا۔ رَبِّ اِنِّیْ ظَلَمْتُ نَفْسِیْ فَاغْفِرْ لِیْ

اے میرے رب! میں نے اپنی جان پر ظلم کیا۔ پس مجھے بخش دے۔ فَغَفَرَ لَهٗ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ (القصص:۱۷) اللہ تعالیٰ نے یقیناً اس کو بخش دیا اور وہ بہت ہی بخشنے والا اور بار بار رحم فرمانے والا ہے۔ اس کے بعد حضرت موسیٰؑ نے ایک عرض کی۔ قَالَ رَبِّ بِمَآ اَنْعَمْتَ عَلَیَّ فَلَنْ اَكُوْنَ ظَهِیْرًا لِّلْمُجْرِمِیْنَ (القصص:۱۸) اے میرے رب! تو نے چونکہ مجھ پر انعام فرمایا ہے۔ بخشش کا سلوک فرمایا ہے۔ پس مجھ پر شکر واجب ہے اور میں یہ اقرار کرتا ہوں کہ آج کے بعد کبھی مجرموں کی مدد نہیں کروں گا۔

اس میں ہر دعا کرنے والے کے لئے ایک پیغام ہے۔ ہم جب دعا کرتے ہیں تو بسا اوقات یہ سوچتے ہیں کہ فلاں کی دعا قبول ہو گئی ہماری نہیں ہوئی۔ حالانکہ دعا کی قبولیت میں بھی ایک بہت ہی لطیف نظام عدل جاری ہے۔ وہ لوگ جو قبولیت دعا کے بعد اس کا شکر ادا کرنا جانتے ہیں۔ دعا کی قبولیت کے بعد ان پر جو تقاضے عائد ہوتے ہیں ان کا حق ادا کرنا جانتے ہیں' ان کی دعائیں اللہ تعالیٰ زیادہ سنتا ہے۔ لیکن ضروری نہیں کہ صرف انہی کی دعائیں سنی جائیں۔ بعض دفعہ یہ جانتے ہوئے بھی کہ ایک شخص جس گناہ میں ملوث ہے پھر ہو گا' پھر ہو گا اور پھر ہو گا۔ پھر بھی بخشا

چلا جاتا ہے۔ یہ تو اس کی مغفرت کے ساتھ تعلق رکھنے والی بات ہے لیکن اگر آپ دعا کی قبولیت کا راز سمجھنا چاہیں۔ یعنی وہ معاملہ جو خدا اور انبیاء کے درمیان ہوتا ہے تو وہاں اللہ تعالیٰ ان کے ساتھ خاص رحمت کا سلوک اس لئے فرماتا ہے۔ ان کی دعائیں بہت زیادہ قبول کرتا ہے کیونکہ وہ جانتا ہے کہ یہ ناشکرے نہیں ہیں۔ میری طرف سے ہر احسان کے بعد یہ پہلے کی نسبت احسان کا بہت زیادہ بخشش مانگنے کے ذریعے بدلہ اتارنے کی کوشش کریں گے۔ اللہ تعالیٰ کے احسان کے مقابل پر تو احسان نہیں ہو سکتا لیکن اس کے سامنے زیادہ جھک کر اور اس کے احسانات میں ڈوب کر اور بار بار اس کی حمد کے گیت گا کر ایک رنگ میں انسان احسان کا اعتراف کرتا ہے۔ پس ایسے لوگوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا مغفرت کا زیادہ سلوک ہوتا ہے اور ان کی دعائیں بھی عام لوگوں کی نسبت زیادہ مقبول ہوتی ہیں۔ پس مغفرت پر بھی سہارا ہو سکتا ہے لیکن بسا اوقات محض مغفرت پر سہارا نہیں لیا جا سکتا اور عادت کو ایسا درست کرنا ضروری ہے کہ جس کے نتیجہ میں دعائیں قبول ہوں اور اسی مضمون کو قرآن کریم نے ہمارے انسانی تعلقات کے سلسلہ میں ایک اور رنگ میں بیان فرمایا۔ فرمایا۔ جب کوئی تمہارا گناہ کرتا ہے۔ جب کوئی تم پر زیادتی کرتا ہے تو تمہارا حق ہے کہ تم بدلہ لو جیسے کہ اللہ تعالیٰ کا حق ہے کہ وہ ہمیں گناہوں کی سزا دے لیکن

فَمَنْ عَفَا وَأَصْلَحَ فَأَجْرُهُ عَلَى اللَّهِ (الشوریٰ :۴۱) جو مغفرت کرے بشرطیکہ اس کی مغفرت اصلاح کا موجب بنے۔ جرم کی حوصلہ افزائی کا موجب نہ بنے اس کا اجر خدا کے ہاں ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اس مضمون میں قبولیت دعا کا بہت گہرا راز بھی بیان فرما دیا۔ جب خدا نے ہمیں یہ نصیحت فرمائی کہ تمہیں کھلی بخشش کی اجازت نہیں ہے۔ اگر تمہاری بخشش کے نتیجہ میں گناہ کی حوصلہ افزائی ہوتی ہے تو نہیں بخشنا۔ لیکن اگر اصلاح پیدا ہوتی ہے اور انسان اس بخشش کے شکر کے نتیجہ میں اپنی حالت تبدیل کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ پھر ایسے شخص کی بخشش باعث اجر ہے اور یقیناً خدا کے پاس اس کا اجر محفوظ ہے۔ پس وہی بات ہے جو یہاں کی جا رہی ہے۔ انسان

کے تعلق میں بھی وہی اصول بیان ہوا ہے۔ قرآن کریم کی آیات میں بہت گہرے رشتے ہیں۔ ایک منضبط نظام ہے۔ اندر اندر تعلقات قائم ہیں اور کوئی بھی ایسی آیت نہیں جو دوسری آیات کے ساتھ گہرے تعلقات نہ رکھتی ہو۔ پس اس ضمن میں مغفرت کا مفہوم اچھی طرح سمجھ لینا چاہئے جس کے نتیجہ میں جب بھی بخشش کی دعا کی جائے تو دل میں یہ نیت ہونی چاہئے کہ اگر اللہ بخشش کا سلوک فرمائے گا تو اس کے بعد میں بھی انبیاء کی سنت پر چلتے ہوئے اس کے شکریہ کا اظہار اس رنگ میں کروں گا جس رنگ میں پاک لوگوں کی سنت چلی آئی ہے۔ اب یہ سوال ہے کہ پھر خدا بار بار ایسے لوگوں کو کیوں بخشتا ہے جو بار بار جرم کرتے ہیں۔ باوجود اس کے کہ ہمیں منع کرتا ہے کہ جرم کی حوصلہ افزائی نہیں کرنی۔ اگر بخشش کے نتیجہ میں جرم سرزد ہو تو پھر نہیں بخشنا۔ میں نے اس مضمون پر گہرائی سے غور کیا ہے اور میں سمجھتا ہوں کہ میں اس مسئلے کو صحیح حل کر سکا ہوں۔ جہاں تک میں نے جائزہ لیا ہے خدا تعالیٰ کی مغفرت ایسے گنہگاروں سے بار بار ہوتی ہے جن کے دل میں شرم یقیناً پیدا ہوتی ہے۔ بخشش کے نتیجہ میں جرم کی حوصلہ افزائی نہیں ہوتی۔ واقعی تائب ہوتے ہیں۔ بہت شرمندہ ہوتے ہیں۔ علیحدگی میں خدا کے حضور روتے ہیں۔ گریہ و زاری کرتے ہیں۔ اے خدا ہمیں بخش دے ہم سے غلطی ہوئی۔ بہت گنہگار ہیں کمزور ہیں۔ اور پھر اس کے بعد کمزوری غالب آ جاتی ہے۔ ایسے لوگوں کا معاملہ ہرگز وہ نہیں ہے جن کے ساتھ آپ حسن سلوک کریں اور وہ گناہوں پر شیر ہوتے چلے جائیں۔ ہر گھر میں ایسے بچے دیکھے گئے ہیں۔ بعض مائیں ان کو بگاڑ دیتی ہیں اور وہ اتنے بدتمیز ہو جاتے ہیں کہ آنے والے مہمانوں کا بھی ناک میں دم کر دیتے ہیں۔ ان گھروں میں جانا ایک مصیبت بن جاتی ہے۔ کیونکہ وہ ہر جرم کے بعد اس کی حوصلہ افزائی کرتے ہیں۔ کوئی بات نہیں۔ کوئی حرج نہیں۔ ٹھیک ہے سب کچھ۔ یہ وہ مضمون ہے جس کو قرآن کریم بیان فرما رہا ہے کہ اگر مغفرت کرنی ہے تو ایسے شریف النفس لوگوں کی مغفرت کرو جن کے اوپر نیک اثر پڑے۔ یہ لازم نہیں ہے کہ اسی وقت وہ توبہ کرلیں لیکن اصلاح کی طرف میلان ضرور رکھتے ہوں۔ پس اللہ

تعالٰی چونکہ عالم الغیب ہے اور دل کی گہرائیوں پر نظر رکھتا ہے وہ جانتا ہے کہ میرے کون سے بندے نیک فطرت اور سعید ہیں اور گناہوں میں ملوث ہونے کے باوجود سچی شرمندگی کا احساس رکھتے ہیں۔ وہ اس علم کے باوجود ان کو بخش دیتا ہے کہ پھر بھی گناہ کریں گے اور پھر بھی گناہ کریں گے لیکن بالآخر وہ نیک انجام ہوتے ہیں۔ ان میں اور دوسرے لوگوں میں فرق یہ ہے کہ جو گناہوں پر اصرار کرتے ہیں اور ضد کرتے ہیں اور بدتمیزی سے گناہ پر جرأت کرتے ہیں وہ ہمیشہ بدانجام کو پہنچتے ہیں۔ لیکن سچی توبہ کرنے والے یا توبہ کرتے رہنے والوں کا انجام ہمیشہ نیک ہوتا ہے۔ پس یہاں خدا تعالٰی نے حضرت موسیٰؑ کے متعلق فرمایا کہ وہ بہت ہی نفیس طبیعت کا انسان تھا۔ میں نے بغیر شرط کے اس کو بخشا لیکن اس کے دل میں بہت ہی جذبات تشکر پیدا ہوئے اس نے کہا۔ قَالَ رَبِّ بِمَآ اَنۡعَمۡتَ عَلَیَّ فَلَنۡ اَکُوۡنَ ظَہِیۡرًا لِّلۡمُجۡرِمِیۡنَ اے خدا! تو نے بڑا احسان کیا ہے جو مجھے بخش دیا ہے۔ اب میں اس کے بدلے توبہ کرتا ہوں اور عہد کرتا ہوں کہ آئندہ کبھی مجرموں کی پشت پناہی نہیں کروں گا۔

حضرت موسیٰؑ کی ایک اور دعا ہے۔ رَبِّ نَجِّنِیۡ مِنَ الۡقَوۡمِ الظّٰلِمِیۡنَ (القصص : ۲۲) جب اس حادثاتی قتل کی اطلاع جس کا ذکر ابھی گزر چکا ہے قوم کے بڑے لوگوں تک پہنچی تو انہوں نے مل کر مشورے کئے کہ اس شخص کو ضرور سزا دینی چاہئے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ ایک غالب قوم تھی اور قوم کے وقار کا سوال تھا۔ یہ بحث نہیں تھی کہ غلطی سے قتل ہوا ہے یا عمداً ہوا ہے۔ یہ بحث تھی کہ ایک غالب قوم کے فرد پر اگر ایک مغلوب قوم کا فرد جرم کرنے لگے تو اس سے ان کا جو سارا رعب تھا وہ جاتا رہے گا۔ اس غرض سے ان لوگوں نے آپس میں مشورے کئے اور حضرت موسیٰؑ کے قتل کا فیصلہ کیا۔ اس وقت جب آپ ڈرتے ہوئے چھپتے ہوئے ملک چھوڑ رہے تھے کیونکہ ان میں سے ہی ایک ہمدرد انسان نے جو آپ کی سچائی کا قائل تھا اور آپ کی عزت کرتا تھا اس نے آپ کو اطلاع دی کہ میں وہاں سے آرہا ہوں جہاں تمہارے قتل کے مشورے ہو رہے ہیں اس لئے بہتر ہے کہ ابھی یہاں

سے نکل جاؤ۔ چنانچہ اس کے مشورے پر جب آپ روانہ ہوئے ہیں تو یہ دعا کی۔
رَبِّ نَجِّنِي مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ اے میرے رب مجھے ظالموں کی قوم سے نجات بخش۔

اس میں بھی حکمت کی بڑی دلچسپ بات یہ ہے کہ یہاں اپنے اس گناہ سے توبہ نہیں کی گئی کیونکہ پہلے ہی خدا بخش چکا تھا۔ جس کو خدا بخش دے اس پر ظالم قوم ہی حملے کی جرأت کر سکتی ہے تو فرمایا تو نے مجھے بخش دیا ہے مگر دنیا کے ظالم تو مجھے نہیں بخش رہے۔ اس لئے ان ظالموں سے بھی اب مجھے نجات بخش۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو نجات بخشی اور اس سے اگلی دعا اسی تسلسل کی ہے۔ اس سے آگے تین آیات بعد یعنی سورۃ القصص کی بائیسویں آیت میں یہ دعا ہے۔ رَبِّ نَجِّنِي مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ اور آیت چھبیسویں میں یہ دعا ہے۔ رَبِّ اِنِّيْ لِمَآ اَنْزَلْتَ اِلَيَّ مِنْ خَيْرٍ فَقِيْرٌ اے میرے رب! تو میری جھولی میں جو بھی خیرات ڈال دے میں اسی کا فقیر ہوں۔ یہ بہت دلچسپ موقعہ ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ و السلام ہجرت کر کے مدین کی قوم کی طرف گئے جہاں حضرت شعیبؑ کے متعلق بیان کیا جاتا ہے کہ آپ اس وقت خدا تعالیٰ کے اس قوم کے لئے نبی تھے اور دونوں ہم عصر ہیں۔ حضرت شعیبؑ کی دو بیٹیاں تھیں۔ ان کا بیٹا کوئی نہیں تھا۔ حضرت شعیبؑ کی بیٹیاں قوم کے پنگھٹ پر پانی بھرنے کے لئے آئی ہوئی تھیں اور چونکہ بہت سے مرد تھے اس لئے وہ شرما کر ایک طرف کھڑی رہیں اور انتظار کرتی رہیں کہ کب ان کی باری آئے تو وہ اپنے گھڑے بھریں۔ حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ و السلام ایک دیوار یا درخت کے سائے تلے بیٹھے دیکھ رہے تھے۔ آپ چونکہ بہت مضبوط، قوی ہیکل انسان تھے اور دل میں گہری ہمدردی بھی تھی۔ آپ اٹھے اور ان سے ان کے برتن لئے اور مردوں کو ہٹاتے ہوئے جاکر ان کا پانی بھرا اور گھڑے ان کے سپرد کر دیئے۔ واپس آکر وہیں بیٹھ گئے اور چونکہ آپ کی عادت نہیں تھی کہ کسی کے سامنے ہاتھ پھیلائیں۔ کسی سے مدد مانگیں۔ یہ احسان کا سلوک کرنے کے بعد ان کی طبیعت دعا کی طرف مائل ہوئی اور معلوم ہوتا ہے اس احسان کے نتیجہ میں دل سے یہ دعا اٹھی

ہے کیونکہ آپ اس دعا کے مضمون کو غور سے سنیں تو اس کے پیدا کرنے کے لئے کوئی محرک ہوا ہے۔ چنانچہ وہ محرک یہ تھا کہ آپ نے بے یار و مددگار بچیوں پر ایک احسان کیا اور پھر خیال آیا کہ میں بھی تو خدا کے حضور بے یار و مددگار پڑا ہوں۔ کیوں نہ خدا سے عرض کروں کہ میری مدد کرے۔ چنانچہ یہ دعا بہت ہی دردناک ہے اور بہت ہی دل پر اثر کرنے والی ہے۔

ایک دفعہ انگلستان میں ایک بڑی تقریب میں جب میری تقریر ختم ہوئی تو اس کے بعد مجھ سے بعض ملنے والے آئے۔ ان میں کسی ملک کی ایک شہزادی بھی تھی۔ اس نے قرآن کریم کی بعض آیات سنیں تو دل پر بہت اثر ہوا تو مجھ سے اس نے کہا کہ سارے قرآن کریم میں سے کوئی ایک دعا جو آپ کو بہت پسند ہے وہ مجھے لکھ دیں میں اسے آئندہ اپنی زندگی کا وظیفہ بناؤں گی۔ چنانچہ میں نے اس کو یہ دعا لکھ کر دی اور سمجھایا کہ کیوں مجھے یہ دعا پسند ہے۔ اس دعا میں ہر چیز خدا پر چھوڑ دی گئی ہے۔ کچھ نہیں مانگا گیا۔ صرف یہ کہا گیا ہے کہ رَبِّ اِنِّیۡ لِمَاۤ اَنۡزَلۡتَ اِلَیَّ مِنۡ خَیۡرٍ فَقِیۡرٌ اے خدا! میں محتاج ہوں۔ تجھے پتہ ہے کہ میں کس کس چیز کا محتاج ہوں۔ میں کیا کیا بتاؤں۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ و السلام نے اس دعا کو ایک اور بہت ہی پیارے رنگ میں یوں عرض کیا:۔

وہ دے مجھ کو جو اس دل میں بھرا ہے　　زباں چلتی نہیں شرم و حیا ہے

زبان چلتی نہیں شرم و حیا ہے۔ میں کیا کیا بیان کروں۔ میں تجھ سے کیا کیا مانگوں۔ حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ و السلام عرض کرتے ہیں کہ اے خدا! جو کچھ تو میری جھولی میں ڈال دے میں اسی کا فقیر ہوں۔ میں نہیں بتاتا کیا مجھے چاہئے نہ مجھے حقیقت میں علم ہے۔ چنانچہ میں سمجھتا ہوں کہ اس کے بعد جو بھی احسانات کا سلسلہ ہے وہ اسی دعا کے نتیجہ میں ہے اور اس کی جڑیں اسی دعا میں ہیں۔ معاً بعد اس گھر میں ایک واقعہ ہوا جس گھر کی وہ بچیاں تھیں ان دونوں بیٹیوں نے اپنے باپ کو یہ واقعہ سنایا کہ ایک بہت ہی نیک مرد اور اچھا توانا مرد اس طرح بیٹھا ہوا اجنبی ہے۔ اس نے نہ

ہم سے کچھ پوچھا' نہ مانگا' صرف ہمارا کام کیا اور جا کر پھر بیٹھ گیا لیکن ضرورت مند معلوم ہوتا ہے اس پر ان کے والد جو نبی تھے اور خدا تعالیٰ کی طرف سے نور یافتہ تھے انہوں نے بھیج کر بلوایا اور بلانے کے بعد ان کو کیا کیا دیا۔ ایک امان دی اور کہا کہ اب تم یاد رکھو تم امن میں آچکے ہو۔ تمہیں اب کوئی خطرہ نہیں کسی قوم سے۔ دوسرے گھر دیا اور ان کو کہا میرے گھر میں رہو۔ تیسرے یہ کہا کہ ان دونوں بچیوں میں سے جس کو انتخاب کرتے ہو وہی تمہاری ہے۔ چوتھے اس خیال سے کہ یہ ممنون احسان نہ ہو۔ یہ نہ سمجھے کہ میں کسی کے احسان کے نیچے آگیا ہوں کہا کہ اس میں کوئی شرمانے کی بات نہیں۔ میرا اور تمہارا نوکری کا معاہدہ ہے۔ میں ۸ سال یا ۱۰ سال تم سے خدمت لوں گا۔ اس لئے کوئی احسان نہیں۔ چار باتیں اس طرح حضرت موسیٰؑ کے لئے اس سے پیدا فرمائیں اور اس کے بعد پھر اسی شادی کے بعد حضرت شعیبؑ کی صحبت میں رہنے کے نتیجہ میں بھی ہم کہہ سکتے ہیں کہ آپ کے دل میں جو نیکی کے بیج تھے وہ بہت ترقی کر گئے اور بعد میں واپسی کے سفر میں آپ کو نبوت بھی عطا ہو گئی۔ پس اس لئے مجھے یہ دعا پیاری ہے کہ اس میں بہت ہی وسیع مضامین ہیں۔ تعیین نہیں کی گئی اپنی چالاکیوں سے کہ یہ بھی دے' وہ بھی دے اور وہ بھی دے۔ کھلا خدا پر معاملہ چھوڑ دیا گیا ہے جو کچھ تو جانتا ہے کہ ہمیں ضرورت ہے وہ ہمیں مہیا فرما دے۔

اب حضرت لوطؑ کی ایک دعا ہے۔ قَالَ رَبِّ انْصُرْنِي عَلَى الْقَوْمِ الْمُفْسِدِينَ (العنکبوت : ۳۱) اے میرے خدا! اے میرے رب!! مفسد قوم کے مقابل پر میری نصرت فرما۔

اس دعا کا پس منظر معلوم کرنا بھی ضروری ہے۔ حضرت لوطؑ کی قوم میں جو بدیاں پائی جاتی تھیں۔ آپ سب جانتے ہیں اس کو دہرانے کی ضرورت نہیں مگر خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ جب بھی حضرت لوطؑ نے نصیحت فرمائی کہ ان بدیوں سے باز آؤ۔ فَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهِ إِلَّا أَنْ قَالُوا ائْتِنَا بِعَذَابِ اللَّهِ إِنْ كُنْتَ مِنَ الصَّادِقِينَ (العنکبوت:۳۰) ہر دفعہ وہ تان میں یہی کہتے تھے کہ اچھا پھر جو

عذاب تیرا خدا ہم پر وارد کر سکتا ہے جاؤ اپنے خدا سے وہ عذاب مانگ لاؤ۔ یعنی اب گفت و شنید کی راہیں بند ہو چکی ہیں۔ اب نصیحت کے ان قصوں کو چھوڑو۔ ہم تمہاری باتیں سنتے سنتے تنگ آ گئے ہیں۔ نہیں باز آئیں گے۔ ہزار دفعہ کہا نہیں باز آئیں گے۔ اب تم جاؤ اور اپنے خدا کو کہو کہ وہ عذاب لے آئے جس سے تم ہمیں ڈراتے ہو۔ یہ ہے پس منظر۔ نہایت بیہودہ طریق پر متکبر رنگ میں خدا کے عذاب کو چیلنج کیا گیا ہے اور حضرت لوطؑ کے ساتھ بڑا تحقیر کا معاملہ کیا گیا ہے لیکن اس کے جواب میں آپ یہ دیکھیں کہ حضرت لوطؑ نے عذاب کی دعا نہیں کی یہ عرض کیا۔ رَبِّ انْصُرْنِي عَلَى الْقَوْمِ الْمُفْسِدِينَ اے میرے رب میں تو اب بھی صرف نصرت چاہتا ہوں۔ مفسد قوم کے خلاف میری نصرت فرما کیونکہ اللہ تعالیٰ جانتا تھا کہ ان کا فساد اصلاح کی حد سے بڑھ چکا ہے۔ اس لئے ان پر عذاب آیا مگر حضرت لوطؑ نے براہ راست قوم کے خلاف عذاب طلب نہیں کیا۔

حضرت ابراہیمؑ کی ایک دعا سورۃ صافات آیت نمبر ۱۰۱ میں ہے۔ اس میں عرض کرتے ہیں۔ رَبِّ هَبْ لِي مِنَ الصّٰلِحِينَ۔

اس سے پہلے کا واقعہ یہ ہے کہ آپ کو قوم نے آگ کا عذاب دینے کی کوشش کی۔ بعض مفسرین کا خیال ہے کہ باقاعدہ آگ میں ڈال دیا گیا اور وہ آگ گلزار بن گئی۔ حضرت مصلح موعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ اسے روحانی محاوروں کے طور پر بیان فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ دراصل ہر نبی کے لئے مخالفت کی ایک آگ بھڑکائی جاتی ہے۔ اس آگ ہی میں سے وہ گلزار ظاہر ہوتا ہے جو ان کی مقبولیت کی صورت میں اور ان کی آخری فتح کی صورت میں خدا تعالیٰ کی طرف سے ان کو انعام ملتا ہے۔ تو حضرت ابراہیمؑ کے ساتھ جس آگ کا ذکر ہے یہ تمثیلی زبان ہے اس کو ظاہر پر نہیں قبول کرنا چاہئے لیکن حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہ بھی لکھا ہے اور بڑی تحدی کے ساتھ لکھا ہے کہ اگر وہ ظاہری آگ بھی ہے تو ہمیں کامل یقین ہے کہ خدا تعالیٰ کی خاص سنت نے اس آگ سے حضرت ابراہیمؑ کو بچا لیا تھا۔ گلزار بننے والی یہ باتیں تو مفسرین کے قصے ہیں۔ قرآن کریم نے جہاں تک فرمایا ہے وہ بس

اتنا ہی ہے اور اتنا ہی ہمارے لئے کافی ہے کہ وہ آگ تھی۔ خواہ وہ ظاہر کی آگ تھی خواہ وہ مخفی آگ تھی۔ معنوی طور پر آگ تھی۔ اللہ تعالیٰ نے اس آگ سے آپ کو بچا لیا اور آگ جلانے والوں کو ناکام کر دیا۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بھی ایک الہام ہوا۔ "آگ ہماری غلام بلکہ غلاموں کی بھی غلام ہے"

ظاہری طور پر بھی کیا یہ درست ہے؟ ہم نے بارہا دیکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے دشمن کی بار بار کی ان کوششوں کو ناکام کر دیا کہ احمدیوں کو زندہ آگ میں جلائیں۔ ابھی حال ہی میں پیچھے پاکستان میں دو احمدی بستیوں کو جلا کر خاک کر دیا گیا لیکن غیر معمولی طور پر اور حیرت انگیز اعجازی رنگ میں اللہ تعالیٰ نے احمدیوں کو اس آگ سے بچا لیا۔

ایک دفعہ مولانا رحمت علی صاحب مرحوم و مغفور جو انڈونیشیا میں مبلغ تھے۔ وہ جن دنوں میں وہاں مبلغ تھے ان دنوں میں بہت مخالفت تھی۔ مجھے اب جگہ کا نام یاد نہیں مگر وہ جس جگہ بھی تھے شدید مخالفت تھی اور وہاں بڑے بڑے مناظرے ہوا کرتے تھے۔ ایک دفعہ کسی کی شرارت سے نہیں بلکہ حادثہ اس بلاک کو آگ لگ گئی۔ (لکڑی کے اکثر مکان وہاں ہوتے ہیں) جس کے ایک طرف حضرت مولوی رحمت علی صاحب کا مکان تھا اور ساتھ ہی بہت تیز آندھی چلی اور اس رخ پر چلی جس رخ پر آپ کا مکان تھا۔ اس وقت سب لوگ اکٹھے ہو گئے۔ باقاعدہ ایک جمگھٹ ہو گیا۔ لوگ اپنے اپنے گھروں سے چھلانگیں مار مار کر نکل رہے تھے۔ سامان نکال رہے تھے۔ احمدی بھی وہاں آئے اور مولوی صاحب کو کہا کہ نکلیں اس گھر سے۔ ختم کریں۔ آگ آپ کے پاس آ رہی ہے تو اس وقت مولوی صاحب نے اس الہام کا حوالہ دے کر خدا سے دعا کی کہ آگ ہماری غلام بلکہ غلاموں کی بھی غلام ہے۔ انہوں نے عرض کیا کہ اے میرے آقا! میں مسیح موعودؑ کا غلام ہوں آپ کی غلامی میں یہاں پیغام دینے آیا ہوں۔ اس لئے آج اس الہام کو میرے حق میں سچا کر دے۔ آج تک انڈونیشیا کے وہ لوگ عش عش کرتے ہوئے لہکتے ہوئے اور روحانی وجد کے ساتھ یہ واقعہ بیان کرتے ہیں کہتے ہیں آگ بڑھتی رہی۔ بڑھتی رہی۔

ہم لوگ ڈولتے رہے۔ ایک لرزہ طاری ہو گیا کہ کیا ہونے ولا ہے جس وقت آگ وہاں پہنچی ہے جہاں سے ان کا مکان شروع ہوتا تھا تو ایسی موسلادھار بارش شروع ہوئی۔ اسقدر تیز کہ آگ کو اس اگلے ساتھ کے گھر تک پہنچنے کی توفیق نہیں ملی۔ ساری آگ ٹھنڈی پڑ گئی۔ پس خدا تعالیٰ ظاہری طور پر بھی ان باتوں کو پورا کر دکھایا کرتا ہے۔ یہ کوئی ضروری نہیں ہے کہ ہم ہر جگہ معنوی سہارے تلاش کریں۔ وہ صاحب مقدرت ہے۔ جب چاہے جس طرح چاہے وہ اپنی کائنات کو جو اس کی غلام ہے جیسا حکم دے وہ اس کے تابع ہے اور ویسا ہی کرتی ہے۔ پس حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اس الہام کے یہ معنی تو بہرحال ثابت ہوئے کہ ظاہری آگ بھی خدا تعالیٰ کے فضل سے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سچے غلاموں پر غلبہ نہیں پا سکے گی۔ پس اس وقت جب حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے خدا کا یہ معجزہ دیکھا تو وہاں سے ہجرت کی اور ہجرت کرتے ہوئے یہ کہا۔

وَقَالَ اِنِّیْ ذَاهِبٌ اِلٰى رَبِّیْ سَیَهْدِیْنِ (الصافات : ۱۰۰) میں تو اپنے رب کی طرف چلا ہوں۔ سَیَهْدِیْنِ اور وہ میری ہدایت کرے گا۔ میری راہنمائی فرمائے گا۔

رَبِّ هَبْ لِیْ مِنَ الصّٰلِحِیْنَ (الصافات : ۱۰۱) اے میرے رب مجھے صالح اولاد عطا فرما۔

اب ان دو باتوں کا جوڑ کیا ہے۔ دیکھنے والی یہ بات ہے آگ سے ہلاکت سے بچ کر باہر نکل رہے ہیں ہجرت فرما رہے ہیں اور کہتے ہیں مجھے صالح اولاد عطا فرما۔ اصل بات یہ ہے کہ حضرت ابراہیمؑ اس وقت تک اس قوم سے رخصت نہیں ہوئے جس وقت تک کامل طور پر یقین نہیں ہو گیا کہ کوئی بھی ایمان نہیں لائے گا۔ جو ظلم انہوں نے کرنا تھا وہ انتہاء تک پہنچا دیا اور جب دیکھا کہ ان کے آباء و اجداد میں سے سب تباہ ہونے والے ہیں کچھ بھی نہیں۔ تو اکیلے نکلے اور اس وقت خدا سے عرض کی کہ اب میری نسل کو تو چلا۔ میں تو تیرے ان بندوں میں سے ہوں جو عاجز ہیں۔ تیرے حضور کامل طور پر جھکنے والے' سب کچھ تیرے سپرد کرنے والے۔ پہلوں کی نسلیں اگر ہلاک ہو جائیں تو وہ ان کی ذمہ داری۔ میں تو تیری خاطر اس قوم

کو چھوڑ کر ہجرت کر رہا ہوں۔ اس لئے مجھ سے پاک نسل جاری فرما۔ یہ جو معنی ہے اس کو قرآن کریم کی دوسری بہت سے آیات تقویت دیتی ہیں اور خود بائیبل بھی اس بات کو تقویت دیتی ہے۔ وجہ یہ ہے کہ حضرت ابراہیمؑ کی اس دعا کے نتیجہ میں محض ایک بچے کی خوشخبری نہیں دی گئی بلکہ آپ کو یہ خوشخبری دی گئی کہ میں تیری نسل کو تمام دنیا میں اتنا پھیلاؤں گا کہ جس طرح آسمان کے ستارے نہیں گنے جا سکتے اور ریت کے ذرے نہیں گنے جا سکتے اس طرح تیری نسل بے شمار ہو گی۔ پس معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابراہیمؑ نے اتنے کامل اخلاص کے ساتھ اپنی قوم کو اپنے آباء و اجداد کو چھوڑا تھا۔ ہمیشہ کے لئے الوداع کہہ دیا تھا کہ آپ سے پھر آگے ایک نیا جہان پیدا ہونا تھا۔ نئی نسلیں جاری ہونی تھیں چنانچہ دوسری جگہ قرآن کریم نے اکیلے حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ و السلام کو امت قرار دیا ہے۔ پس وہ لوگ جو اپنے رشتے داروں کو، اپنے جتھوں کو خدا کی خاطر چھوڑتے ہیں۔ وہ جو اپنی برادریوں کو چھوڑ دیتے ہیں اور اکیلے ہو جاتے ہیں بعض دفعہ وہ اپنے آپ پر رحم کرنے لگ جاتے ہیں اور مجھے ان پر رحم آتا ہے۔ اس قدر بے وقوفی ہے کس بات پر رحم کر رہے ہو۔ تم نے سنت انبیاء کو زندہ کیا ہے اگر خدا کی خاطر کیا ہے تو وہ تمہیں ایک قوم بنا دے گا اور تمہاری قوم بالکل بے معنی اور بے حقیقت ہو جائے گی۔ وہ جتھے چھوٹے ہو جاتے ہیں اور پھر غائب ہو جاتے ہیں اور تاریخ کے صفحوں میں ملتے ہیں لیکن مستقبل میں پاک لوگوں کی نسلیں جاری رہتی ہیں۔ یہ سنت انبیاء ہے لیکن سب سے زیادہ شان کے ساتھ یہ سنت حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ و السلام کے حق میں پوری ہوئی۔ پس رَبِّ هَبْ لِيْ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ کی دعا ایک بہت شاندار پس منظر رکھتی ہے اور ایک بہت عظیم الشان مستقبل رکھتی ہے۔ ان معنوں میں اپنی اولاد کے لئے دعا کرنی چاہئے۔ حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ و السلام کو بھی ابراہیمؑ فرمایا گیا۔ چنانچہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ و السلام کے ساتھ آگ ہی کے معاملہ میں نہیں بلکہ برادری کے قطع تعلقی کے معاملہ میں بھی خدا نے ایسا ہی سلوک فرمایا۔ چنانچہ جب ساری برادری نے آپ کو چھوڑ دیا تو اس وقت آپ کو

الہام ہوا۔ یَنقَطِعُ اٰبَآؤُکَ وَیُبۡدَءُ مِنکَ کہ اے غلام احمد! تیرے آباء و اجداد کی نسل کاٹی گئی۔ وَیُبۡدَءُ مِنکَ اب تجھ سے یہ نسل جاری ہو گی۔ یہ ایسا عظیم الشان الہام ہے اور ایسی عظیم الشان قوت کے ساتھ یہ سچا ثابت ہوا ہے کہ اس کی روشنی کے سامنے آنکھیں چندھیاتی ہیں۔ وہ ظالم اور احمق لوگ جو کہتے ہیں کہ مسیح موعودؑ کا کوئی ایک نشان دکھاؤ۔ اگر ان کے اندر ذرا بھی انصاف کا مادہ ہو تو صرف یہی بہت کافی ہے۔ ان پر ثابت کرنے کے لئے کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ و السلام اپنے دعوے میں سچے تھے۔ خدا ان سے ہم کلام ہوتا تھا اور آپ کی تائید میں نشان ظاہر فرماتا تھا۔ جب یہ الہام ہوا ہے جہاں تک میں نے تحقیق کی ہے اس زمانے میں کم و بیش ۷۰ افراد خاندان آپ کے آباء و اجداد کے تھے جو قادیان میں بستے تھے اور ان میں سے کوئی ایمان نہیں لایا اور یکے بعد دیگرے وہ مرتے چلے گئے اور ان کی نسلیں ختم ہوتی چلی گئیں۔ قریبی رشتے دار بھی' دور کے رشتے دار بھی۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ و السلام کے زمانے کے ایک پرانے خادم تھے بابا سندھی۔ وہ ایک دفعہ خدمت کے لئے ہمارے ساتھ ڈلہوزی بھی گئے۔ بڑی عمر تھی لیکن پھر بھی جسم میں توانائی تھی۔ ان سے بعض دفعہ ہم پرانی باتیں سنا کرتے تھے تو بڑے مزے سے وہ قصے سناتے تھے کہتے تھے کہ حضرت مسیح موعودؑ کے مخالفین کی جو حویلی تھی وہاں یکے بعد دیگرے تالے ہی پڑتے چلے گئے۔ پہلے وہ گھر بیواؤں سے بھر گیا پھر ان کے بچے مرنے شروع ہوئے۔ رفتہ رفتہ وہ خالی ہو گئی۔ کہتے ہیں مرزا گل محمد کے والد مرزا نظام دین صاحب آخری عمر میں بہت کمزور ہو گئے تھے۔ صدموں کا دماغ پر بھی اثر تھا تو میں (یعنی بابا سندھی) ان کو دبایا کرتا تھا۔ کہتے ہیں! وہ مجھ سے کبھی کہتے تھے فلاں بی بی کو بلا کر لاؤ۔ فلاں بی بی کو بلا کر لاؤ۔ ہر دفعہ میں جواب دیتا تھا کہ میں کس کو بلا کر لاؤں اس کے کمرے میں بھی تالا پڑ گیا ہے۔ میں کس کو بلا کے لاؤں اس کے کمرے میں بھی تالا پڑ گیا ہے۔ بہت ہی دردناک منظر ہے لیکن خدا کی یہ شان خود ان کی بد نصیبی کے نتیجہ میں ظاہر ہوئی ہے کیونکہ انہوں نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ و السلام جیسا گوہر اپنے اندر پا کر اس کی قدر نہیں

کی اور آپ کو مٹانے کی کوشش کی۔ پس جو خدا کے پاک بندوں کو مٹانے کی کوشش کرتا ہے بالآخر ضروری نہیں کہ ہمیشہ اسی وقت، لیکن بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ خدا یہ فیصلہ کرتا ہے کہ ان کو مٹا دیا جائے اور پھر ان کو کوئی بچا نہیں سکتا۔ مرزا نظام دین کا ایک بیٹا زندہ رہا جن کا نام مرزا گل محمد ہے اور ان کی نسل میں اب تک احمدیت ہے اور خدا کی یہ شان ہے کہ ان کو اس لئے زندہ رکھا گیا کہ انہوں نے احمدی ہو جانا تھا۔ کوئی شخص ایسا زندہ نہیں رہا جس نے احمدی نہیں ہونا تھا۔ اسی کو زندہ رکھا گیا جس نے احمدی ہونا تھا۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ و السلام کے اپنے بیٹوں میں سے دو تھے۔ ایک مرزا سلطان احمد۔ ایک مرزا فضل احمد۔ اس وقت دونوں میں سے کوئی بھی آپ پر ایمان نہیں لایا تھا اسی کو زندہ رکھا گیا اور اسی کی نسل جاری رکھی گئی جس نے ایمان لانا تھا یعنی مرزا سلطان احمد اور مرزا فضل احمد۔ اسی طرح بے اولاد لاولد اس دنیا سے رخصت ہو گئے۔

بہت ہی تفصیل کے ساتھ میں نے جائزہ لیا ہے ہر ہر واقعہ میں ایک عظیم نشان پوشیدہ ہے۔ ایک صاحب اولاد ہونے کی طاقت رکھتے تھے۔ شادی کرنا چاہتے تھے لیکن دماغ میں ایسا دورہ پڑا کہ فقیر بن گئے اور فقیر بننے کے بعد خود اپنے آپ کو اولاد کی اہلیت سے ہمیشہ کے لئے محروم کر لیا۔ حضرت مرزا بشیر احمد صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ بسا اوقات یہ واقعہ سنایا کرتے تھے کہتے تھے کہ ان کی حالت دیکھ کر رحم آتا تھا۔ یوں لگتا تھا جیسے وہ دیواروں سے سر ٹکرائیں گے۔ کہا کرتے تھے میں نے اپنے اوپر کیا کر لیا ہے کیا ظلم کر بیٹھا ہوں۔ کاش مجھ میں طاقت ہوتی اور میں شادی کرتا اور میری اولاد ہوتی لیکن خدا کی تقدیر کے نیچے تھے۔ پس اسی طرح حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ و السلام کے آباء و اجداد کی نسل کاٹی جانے کا فیصلہ ہو چکا تھا۔ معلوم ہوتا ہے حضرت ابراہیمؑ کو پتہ تھا مجھے تو یقین ہے کہ خدا نے الہاماً خبر دی تھی کہ یہ واقعہ ہے تم جس جگہ سے رخصت ہو رہے ہو اب یہاں کوئی باقی نہیں بچے گا۔ یہ ساری نسلیں ختم ہونے والی ہیں۔ اس وقت حضرت ابرہیمؑ نے دعا کی ۔ رَبِّ هَبْ لِي مِنَ الصّٰلِحِيْنَ اے خدا مجھے نسل دے مگر نیک نسل دے۔ بد نسل کا میں

متمنی نہیں ہوں۔ مجھ سے آئندہ نیک نسلیں جاری ہوں اور دیکھیں کتنی گہری دعا تھی کہ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ و علیٰ آلہ و سلم بھی آپ ہی کی نسل میں پیدا ہوئے۔ پس محض دعا کے لفظوں کی بات نہیں ہوا کرتی۔ خدا کی نظر دعا کی گہرائی پر پڑتی ہے۔ دل میں کتنی گہرائی سے اٹھی ہے۔ کس جذبے کے ساتھ اٹھی ہے۔ کس درد کے ساتھ اٹھی ہے۔ کس اخلاص اور ایثار کی روح کے ساتھ اٹھی ہے۔ یہ ساری باتیں ہیں جو دعا کو طاقت بخشتی ہیں اور پھر نیک اعمال دعا کو طاقت بخشتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ کلمہ طیبہ خدا ہی کی طرف رفع کرتا ہے مگر نیک اعمال اس کو طاقت مہیا کرتے ہیں۔ پمپ کر کر کے نیک اعمال اس کلمہ کو اوپر اٹھاتے ہیں تو اسی طرح دعاؤں کا حال ہے۔ یہ ساری باتیں دل کے نیک اور نیک اعمال مل کر دعاؤں میں ایک غیر معمولی طاقت پیدا کر دیتے ہیں اور قوموں کے مستقبل ان دعاؤں سے بنتے ہیں۔

پھر ایک دعا حضرت سلیمانؑ کی ہے جو سورۃ ص آیت ۳۶ میں بیان ہوئی ہے۔ وَهَبْ لِيْ مُلْكًا اور مجھے ایسی سلطنت عطا فرما ایک ایسا عظیم ملک عطا فرما' لَا يَنْۢبَغِيْ لِاَحَدٍ مِّنْۢ بَعْدِيْ کہ میرے بعد پھر کبھی کسی کو نصیب نہ ہو۔ اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ یقیناً تو بہت ہی مہربانی کرنے والا ہے۔ بہت ہی زیادہ پیار کا سلوک فرمانے والا ہے۔ قَالَ رَبِّ اغْفِرْ لِيْ اس دعا کے متعلق کئی علماء بحثیں اٹھاتے ہیں کہ ایسی دعا مناسب بھی ہے کہ نہیں۔ درست ہے کہ نہیں کہ میرے بعد کسی کو ویسی سلطنت نہ ملے۔ یہ تو بظاہر ایک خود غرضی کی دعا ہے۔ لوگ تو یہ کہتے ہیں کہ ہماری اولاد میں بھی یہ سلسلہ جاری رکھ اور بڑھا چڑھا اور اس شان کو بڑھاتا رہ۔ حضرت سلیمانؑ نے یہ کیسی دعا کی اور پھر دعا بھی ایسی جو بد دعا بن کر بعد میں ظاہر ہوتی ہے چنانچہ حضرت سلیمانؑ کی تاریخ سے پتہ چلتا ہے کہ آپ کے بعد نہ نسل میں نبوت رہی' نہ اس رنگ میں وہ بادشاہت رہی۔ حضرت سلیمانؑ کا دور بنی اسرائیل کی حکومت کا سب سے شاندار دور تھا۔ آپ نے آنکھیں بند کیں تو فتنے شروع ہوئے اور سلطنت دو حصوں میں بٹ گئی اور آپ کی نسل کے حصے میں چھوٹی سلطنت آئی لیکن فلسطین اسی کا حصہ تھا۔ اسی کو جوڈا کہا جاتا ہے۔ ایک شمالی

سلطنت تھی جس میں بنی اسرائیل کے دس قبائل آباد تھے اور ایک جنوبی جس میں دو تھے۔ ان میں حضرت سلیمانؑ کا اپنا قبیلہ بھی تھا۔ چنانچہ آپ کے بیٹے کے پاس بالآخر صرف وہی بادشاہت رہ گئی جو دو قبیلوں کی راجدھانی پر مشتمل تھی اور وہ دس قبیلے وہ ہیں جن کے متعلق بعد میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے یہ کہا کہ میں بنی اسرائیل کی گمشدہ بھیڑوں کی طرف جانے والا ہوں۔

اصل مضمون تو دعا کا ہے مگر ضمناً ساتھ ساتھ میں آپ کو یہ باتیں بھی سمجھاتا جاتا ہوں کیونکہ ہمارے جماعتی محاورے میں اکثر گمشدہ بھیڑوں کا ذکر ملتا ہے تو وہ کیا تھیں اور کیسے بنیں۔ وہ دس قبائل جو شمال کے قبائل تھے ان کی ایک الگ سلطنت قائم ہوئی اور انہی کی طرف حضرت مسیحؑ کا اشارہ ہے۔ گمشدہ ان کو اس لئے کہا گیا کہ ۶۰۰ سال کی حکومت کے بعد یعنی حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعد جب بنی اسرائیل کو حکومت ملی تو اس کے پورے ۶۰۰ سال کے بعد بابلیوں نے ان پر حملہ کیا (اور آجکل کے کرد بھی اکثر بابلی علاقہ سے ہی تعلق رکھتے ہیں۔ اس زمانے میں بابلیوں کی ایک بہت شاندار سلطنت تھی) اور ان کو بالکل تہس نہس کر دیا۔ کلیۃً ملیامیٹ کر کے ان کو ملک بدر کر دیا اور یہ ساری دنیا میں بکھر گئے۔ بعض روایات کے مطابق مارا تو بہت بری طرح لیکن پوری طرح نکالا نہیں بلکہ ایک سو سال بعد جبکہ جنوبی عراق کی طرف سے حملہ ہوا ہے اس وقت ان کو آخری دفعہ کلیۃً نکال دیا گیا۔ مگر بہرحال حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانے میں آپ کی آمد سے کئی سو سال پہلے یہ لوگ دنیا میں بکھر چکے تھے اور ان کا وہاں کوئی وجود نہیں تھا۔ حضرت موسیٰؑ سے حضرت عیسیٰؑ کا فاصلہ ۱۳۰۰ سال کا ہے۔ یہ بات احمدیوں کو خصوصاً یاد رکھنی چاہئے۔ پس حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام گمشدہ بھیڑوں کے بکھرنے کے ۶۰۰ سال کے بعد ظاہر ہوئے ہیں۔ یہ اس لئے یاد رکھنے کے لئے ضروری ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام جو حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم کی امت کے مسیح تھے۔ آپ بھی پوری ۱۳ صدیوں کے بعد ظاہر ہوئے ہیں اور مماثلت مسیحؑ کی لوگ بات کرتے ہیں تو فیتے سے آپ زمانے کو ناپ کر دیکھ لیں بعینہٖ

اتنا زمانہ بنتا ہے۔ جس طرح حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ و السلام سے پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ و علی الہ و سلم کے بعد ۱۴ مجدد گزرے تھے اسی طرح حضرت موسیٰؑ کی امت پر حضرت عیسیٰؑ سے پہلے ۱۴ مجددین گزر چکے تھے۔ بہرحال یہ قوم کا ایک حصہ اس زمانے میں بکھرا تھا۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ کیا حضرت سلیمانؑ نے خود اپنے بچوں کے لئے اور اپنی قوم کے لئے بد دعا کی تھی۔ اس کے متعلق قرآن کریم اشارہ کر رہا ہے۔ اس سے پہلی آیت میں کہ اصل واقعہ کیا تھا۔

پہلی آیت یہ ہے کہ وَلَقَدْ فَتَنَّا سُلَيْمٰنَ وَاَلْقَيْنَا عَلٰى كُرْسِيِّهٖ جَسَدًا ثُمَّ اَنَابَ (ص : ۳۵) کہ ہم نے سلیمانؑ کو آزمائش میں ڈالا، فتنے میں ڈالا۔

وَاَلْقَيْنَا عَلٰى كُرْسِيِّهٖ جَسَدًا اور اس کے تخت پر ایک لاشے کو لا بیٹھایا۔

ثُمَّ اَنَابَ اس کے نتیجہ میں وہ بار بار خدا کے حضور جھکا اور مغفرت مانگی اور توبہ کی۔

بہت ہی افسوسناک بات یہ ہے کہ بہت سے غیر احمدی مفسرین اس کی تفسیر یہ کرتے ہیں کہ حضرت سلیمانؑ سے گناہ سرزد ہوا اور آپ نے اپنے بستر پر ایک عورت ڈال دی۔ نَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ ذٰلِكَ بہت ہی جاہلانہ تفسیریں ہیں۔ یہ تفسیریں دیکھ کر تو بار بار حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ و السلام کے لئے دل سے دعائیں نکلتی ہیں کہ کس طرح ہمیں اندھیروں سے روشنی میں نکالا ہے۔ اور اگر یہ بات تھی تو اچانک اس کے بعد اپنی قوم پر بد دعا کرنے کی کیا ضرورت تھی۔ اگر نعوذ باللہ من ذلک کوئی گناہ ہی سرزد ہوا تھا تو اس گناہ کا بدلہ اپنی قوم کو، اپنے بچوں کو دینا تھا کہ یہ دعا کرتے کہ اچھا چونکہ مجھ سے غلطی ہو گئی ہے اس لئے میری اولاد اور میری نسلوں کو اس کی سزائیں دے اور سارے بنی اسرائیل کو اس کی سزا دے اور میرے بعد یہ ملک تباہ کر دے۔ ہرگز یہ بات نہیں ہے۔ آپ کو جب خدا نے خبر دے دی کہ تیری اولاد اس لائق نہیں ہے کہ وہ تیری تخت نشین ہو۔ نالائق اولاد آنے والی ہے تو اس وقت آپ نے یہ کہا کہ اے خدا میں تو نبی ہوں اور نبوت کے ساتھ ملوکیت کرتا رہا ہوں اور پورے انصاف اور تقویٰ کے ساتھ حکومت کے حقوق ادا کرتا رہا ہوں۔ اگر ایک نالائق کے سپرد یہ ساری قومیں کر دی گئیں تو وہ تو بہت

ظلم کرے گا۔ ہرگز وہ اس لائق نہیں ہے کہ ایسی شاندار حکومت اس کے سپرد کی جائے۔ پس اس عاجزانہ دعا کے نتیجہ میں جو تقویٰ پر مبنی تھی خدا تعالیٰ نے آپ کے بعد پھر اس حکومت کو اس طرح جاری نہیں رہنے دیا۔ یہ آخری حکومت ہے جس میں نبوت اور دنیاوی حکومت اکٹھے تھے۔ ایک دوسرے کے ساتھ ملے ہوئے تھے۔ پس ہرگز نعوذ باللہ من ذلک نہ نبیوں کو بد دعائیں دینے کی عادت ہوتی ہے نہ وہ ایسی جاہلانہ خود کشی کرنے والی بد دعائیں کرتے ہیں۔ یہ دعا تقویٰ پر مبنی ہے۔ یہ سمجھتے ہوئے کہ جس کے ہاتھ میں قوم کی لگام ہو گی اگر خدا کے نزدیک وہ بد ہے تو خدا پھر اس کے سپرد یہ حکومت نہ کرے اس سے بنی نوع انسان کو دکھ پہنچے گا۔

❀ ❀ ❀